ڈاکٹر عنبرین تبسم شاکر جان
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اُردو، نمل، اسلام آباد

کلامِ منیرؔ میں غیر مستحکم سیاسی و سماجی صورت حال

Dr. Ambreen Tabassum Shakir Jan
Assistant Professor, Urdu Department, NUML Main Campus, Islamabad.

Munir Niazi Poetry in Political and Social inequalities in Pakistani Society

Munir Niazi has a unique place in Urdu poetry. Through his poetry he explores various political and social inequalities in Pakistani society. In this article there will be detailed discussion of the portrayal of political and social instability in Munir Niazi,s poetry.

اُردو شاعری کی فضا میں منیر نیازی کی آواز اس وقت گونجی جب سیاسی سطح پر ہندوستان دو حصوں میں بٹ گیا تھا۔ سماجی سطح پر احساس محرومی کی شدت میں اضافہ ہو رہا تھا اور ادبی دنیا میں ترقی پسند تحریک اور نئے ادب کی تحریکیں عروج کے بعد ادبی تاریخ کا جز بن چکی تھیں۔ ایسے میں منیر نیازی کی منفرد آواز نے سب کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ اس آواز میں خوف و دہشت عدم اطمینان، لاحاصلی کی وہ جھنکاریں سنائی دے رہی تھیں جو اس وقت کے غیر مستحکم سیاسی نظام کا لازمی نتیجہ تھیں۔

ہجرت کے بعد ادبی تخلیق کاروں نے مجموعی طور پر ملکی سیاسی صورتحال پر عدم اطمینان کا اظہار کیا۔ منیر نیازی ان حالات سے غافل نہیں رہے۔ انھوں نے بھی بھرپور ردعمل ظاہر کیا خاص کر معاشرتی ناانصافی، استحصالی رویے، ظلم و جبر کی خوفناک صورتحال، سماجی عدم توازن اور بگڑتی سیاسی صورتحال نے ان کی شاعری خاص کر نظم پر گہرے اثرات مرتسم کیے۔

ہجرت کا استعارہ منیر کی شاعری اور بالخصوص نظم میں ان کے باقی تصورات کی نسبت نمایاں ہے۔ یہ استعارہ ان دیگر لکھنے والوں کے ہاں بھی تواتر کے ساتھ آیا ہے جو اپنا وطن چھوڑ کر نئی مملکت کے خواب آنکھوں میں سجائے نئے ملک میں آئے۔ یوں ماضی کے ساتھ ربط استوار کرنے کے رویے نے جنم لیا۔ بقول انتظار حسین:

> ''ہجرت کے تجربے کے ساتھ ساتھ ماضی کی قسمت خوب جاگی ورنہ اسے تو تقسیم سے پہلے کے لکھنے والے ایک فالتو چیز سمجھ کر رد کر چکے تھے۔۔۔ مگر تقسیم کے بعد معاشرتی حقیقت نگاری عصر حاضر کے حوالے کے ساتھ ماضی کی تصویر کشی بن گئی۔ نئے لکھنے والوں نے اس اسلوب کو اس طور پر اپنایا جیسے ان کی ذات کا کوئی حصہ کٹ کر ماضی ہو گیا ہو اور وہ اسے تخیل کے راستے واپس لا کر حال میں سمونے کی کوشش کر رہے ہیں۔'' (۱)

منیر کے ہاں ہجرت کے اس تصور کا ایک پہلو تو خود ان کی اپنی ذات سے تعلق رکھتا ہے جس کا ذکر اوپر ہوا۔ ہجرت کے اس کرب سے ان کی ذات کے علاوہ ان کا خاندان بھی گزرا۔ تقسیم کے نتیجے میں ہونے والی ہجرت کے دوران منیر نیازی عین عالمِ شباب میں تھے۔ زندگی کے اس جذباتی دور میں انسان ماحول اور گردوپیش کے واقعات سے گہرا اثر لیتا ہے۔ لہٰذا انھوں نے ہجرت کے تجربے کو پورے شعور کے ساتھ دیکھا اور محسوس کیا۔ مہاجرین کو جن دکھوں اور مسائل کا سامنا تھا اور جغرافیائی تقسیم کے ساتھ ساتھ ان کی زندگیوں میں جو تقسیم آ گئی تھی، اس کا ادراک بھی منیر نیازی کو ذاتی اور مجموعی دونوں سطحوں پر ہوا۔ منیر کے ہاں ہجرت کے تجربے اور اس کے مابعد اثرات کے بارے میں ڈاکٹر ابرار احمد لکھتے ہیں:

''۔۔۔ وہ ایک ایسے زمانے سے تعلق رکھتے تھے جسے اردو شاعری کا سنہری دور قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہ باکمال شعرا زیادہ تر وہ تھے جو قیامِ پاکستان کے بعد ہجرت کے تجربے سے گزرے اور جن کی زندگیاں تقسیم ہو گئیں۔ جہاں انھیں چھوڑی ہوئی جگہوں کی یادوں نے گرفت میں رکھا، وہیں نئے ملک سے مانوس ہونے، اس میں جگہ بنانے، اس کے لیے خواب دیکھنے اور اس کا حصہ بن جانے کے درجہ بہ درجہ عمل سے بھی انھیں گزرنا پڑا۔ منیر نیازی ایسے ہی شعرا کے قبیلے کے غالباً سب سے باکمال شاعر تھے۔''(۲)

ہجرت کے ان دونوں تجربات کے ساتھ ساتھ منیر کے ہاں ایک مسلسل ہجرت کی کیفیت بھی ملتی ہے۔ نئے ملک سے مانوس ہونے اور اس میں جگہ بنانے کے باوجود منیر کے ہاں چھوڑی ہوئی جگہوں کی یادوں کی گرفت اور آزادی کے نئے امکانات کے خواب دیکھنے کا عمل آخر تک جاری رہا۔ بقول سعادت سعید ''منیر اپنی آزادی کے نئے امکانات تلاش کرتے ہیں۔ یہ آزادی کے نئے امکانات ان کے آئیڈیل کی صورت میں اجاگر ہوتے ہیں۔ ان کی یادیں ان کا آئیڈیل بنتی ہیں۔''(۳)

منیر ایک مخصوص فکر، مختلف طرزِ ادا اور اپنی انفرادیت کے باوجود اپنی شاعری اور اپنی نظموں میں کہیں زیریں اور کہیں بالائی سطح پر گہرے سیاسی شعور کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ منیر نے اپنے عہد کی سیاسی و سماجی صورتحال کو اپنی جذباتیت کے ساتھ ملا کر پیش کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے ہاں سیاسی رویہ اس طرح کا نہیں ہے جیسا ان کے پیش رووں اور ان کے معاصرین کے ہاں موجود ہے۔ سیاست کا براہِ راست سماجی زندگی پر ہوتا ہے اور سماجی زندگی فرد کی ذاتی اور شخصی زندگی پر اثر انداز ہوتی ہے۔ بعینہٖ منیر نیازی کے ہاں سیاسی شعور پہلے سماجی اور پھر ذاتی حوالے سے اپنی پہچان کراتا ہے۔ منیر نے جن دکھوں، جن مصائب، جن خوفناکیوں کا تذکرہ اپنی ذات کے حوالے سے کیا ہے، وہ پورے معاشرے کی صورتحال ہے۔ بقول سہیل احمد خان:

''منیر کے نزدیک شاعری پورے عہد کے طرزِ احساس اور رویوں کا عطر ہے۔ منیر اپنے عہد کے رویوں اور نظریات کی ''منظوم تشریحیں'' نہیں کرتا وہ تو بے معنی تفصیل کا بھی قائل نہیں، وہ چند سطور اور چند تصویروں میں اپنے عہد کے انسانوں اور اس کے رویوں کی اصل بنیاد کی طرف اشارہ کر دیتا ہے۔ پھر

اگر آپ چاہیں تو ان تصویروں سے معانی کی طویل داستانیں مرتب کر سکتے ہیں۔ معانی کی انھی امکانی سمتوں کی وجہ سے منیر کی شاعری کو کسی ایک سطح یا عمر کے کسی ایک حصے سے وابستہ نہیں کیا جا سکتا۔ ہر سطح کا انسان اس شاعری میں اپنے ذہن کے مطابق سمتیں تلاش کر سکتا ہے۔'' (۴)

منیر نے جس عہد کی زمانی اور مکانی تصویریں اپنی نظموں میں دکھائی ہیں اور جن سے نکلنے والے معنی کی بہت سی امکانی صورتیں ہوسکتی ہیں وہ بیشتر ہماری ملکی تاریخ کا عرصہ ہے۔ منیر نیازی کی نظموں میں جس سیاسی و سماجی شعور کی کارفرمائی نظر آتی ہے وہ ہمارے ملک کی سیاست اور ہمارے ملک کی معاشرتی صورتحال ہے کیونکہ ''سیاست سے کسی کو مفر نہیں اور پھر سیاست سے فرار دراصل زندگی سے فرار ہے اور زندگی سے فرار خود اپنے انسانی شرف ومنصب کی ذمہ داریوں سے فرار ہے۔'' (۵)

لہٰذا اس ملک کی سیاسی فضا، بدلتی اقدار اور معاشی ومعاشرتی مسائل منیر کے شاعری کے محرکات ہیں۔ منیر کے اسلوب میں چنگھاڑنے کا رویہ نہیں ہے، اس کے باوجود ان کی نظموں میں پاکستانی سیاست کی بوالعجبیوں اور اس کے رویوں کی آہٹیں سنائی دیتی ہیں۔ ان کی آواز میں دھیما پن مگر لہجے میں کاٹ ہے۔ انھوں نے اپنے عہد کے سیاسی وسماجی رویوں کو اپنے وجدان سے مس کر کے اپنی نظموں میں مختلف سطحوں پر اجاگر کیا ہے۔ بقول ڈاکٹر یاسمین سلطانہ:

''منیر کی شاعری موجودہ عہد کی بدلتی قدروں کی آئینہ دار ہے۔ معاشرتی زبوں حالی اور فرد کی بے بضاعت زندگی کا دکھ اس کی شاعری میں نمایاں نظر آتا ہے۔ وہ اپنی زندگی کے حوالے سے فرد کی بے بسی پر کڑھتا ہوا گردوپیش میں پھیلی ہوئی بے حسی پر اپنے مخصوص انداز میں اظہار کی راہ نکال کر بھی ناخوش رہا۔'' (۶)

منیر نیازی کا سیاسی شعور زیادہ تر سماجی حوالے اور شاعرانہ تمثالوں کے پردے کے ساتھ بیان ہوا ہے لیکن بعض جگہ انھوں نے نسبتاً کھلے لہجے میں بھی سیاسی ناہمواری پر بات کی ہے۔ تخلیق کار بنیادی طور پر بنی نوع انسان اور بالخصوص عام آدمی کا نمائندہ اور ہمدرد ہوتا ہے۔ لیکن عوام کے ساتھ سیاستدانوں کا سلوک یہ ہے کہ وہ انھیں سیاسی ڈرامے کا ایک حصہ سمجھتے ہیں اور بوقت ضرورت انھیں استعمال کرنے کے بعد انھیں عضوِ معطل کی طرح بے کار سمجھ کر بے یار و مددگار چھوڑ دیتے ہیں۔ بقول فتح محمد ملک:

''عوام کی ہمارے سیاسی قائدین کی نظر میں فقط اتنی اہمیت ہے کہ ان کی قربانیوں کی بدولت سیاستدان ایوانِ اقتدار تک پہنچتے ہیں۔ سیاسی رہنماؤں کے ایوانِ اقتدار میں داخل ہو جانے کے فوراً بعد وہی پرانا، درجنوں بار کھیلا گیا سیاسی المیہ از سرِ نو شروع کر دیا جاتا ہے جس میں عوام کی حیثیت پھر سے سیاسی تماشے کے فالتو کرداروں کی ہو کر رہ جاتی ہے۔'' (۷)

پر امن، نفرت سے پاک، امن و امان کی دولت سے مالا مال اور سیاسی سطح پر مضبوط شہر یعنی ملک کی آرزو صرف منیر نیازی کی آرزو نہیں ہے بلکہ استحصالی نظام میں جھگڑے ہوئے ہر انسان کی خواہش ہے۔ یہ خواہش مشرقی ممالک میں اور بھی زیادہ توانا ہے کیونکہ یہاں موجود معاشرتی اور تمدنی ڈھانچا شکست و ریخت کا شکار ہے جس کی وجوہ سیاسی ہیں۔ قیام پاکستان سے پہلے برصغیر کے مسلمانوں نے ایک ایسے ملک کا خواب دیکھا تھا لیکن اس کی تعبیر جغرافیائی تقسیم تک محدود رہی۔ نہ حقدار کو اپنا حق ملا نہ مسلمانوں کو امن و امان، نہ سماجی ترقی ہوئی اور نہ ہی حکمران طبقے کے رویے میں تبدیلی۔ اس ملک کے قیام کے ساتھ سیاست کا محور اقتدار بنا اور اقتدار کو خدمت کا وسیلہ قرار دینے کے بجائے طاقت کا سرچشمہ بنا دیا۔ بظاہر سب یہی سوچ رہے تھے کہ ملک ترقی کرے گا خوشحالی آئے گی، اقدار بدلیں گی، اور لوگوں کی زندگی میں مثبت تبدیلیاں آئیں گی لیکن ارباب اختیار نے ملکی سیاست اور نظام معیشت کو بھول بھلیوں میں ڈال دیا۔

منیر کی شاعری میں سیاسی شعور کا ایک زاویہ حب الوطنی کی صورت میں نظر آتا ہے۔ وطن سے والہانہ محبت کے سبب منیر نیازی پاکستان کے تمام شہروں کے لیے دعا گو ہیں۔ خاص کر وہ نظمیں جو وطن عزیز سے متعلق ہیں ان نظموں میں دعائیہ پہلو خاص اہمیت رکھتا ہے۔ قیام پاکستان کے ساتھ ہی وسیع پیانے پر ہونے والی ہجرت کا عمل منیر نیازی تاریخ اسلام کی اس ہجرت کے تناظر میں دیکھتے ہیں جو مذہبی، سیاسی اور اعلیٰ مقصد کے حصول کی خاطر وجود میں آئی یعنی مکہ سے مدینہ کی طرف رسول اکرمؐ، خاندان رسالت اور اصحاب رسول کی ہجرت۔ وہ ہجرت فقط حفظِ جان کی خاطر نہیں تھی بلکہ ایک اعلیٰ مقصد کے پیش نظر تھی۔ منیر ہندوستان سے پاکستان کی طرف ہجرت کو اسی سلسلے سے جوڑتے ہیں۔ ان کی نظم ''اپنے وطن پر سلام'' کے یہ مصرعے ملاحظہ ہوں:

اے وطن! اسلام کی امید گاہِ آخری تجھ پر سلام
کل جہاں کی تیرگی میں اے نظر کی روشنی تجھ پر سلام
تو ہوا قائم خدا کی برتری کے نام پر
بازوے حیدر ، جمال احمدیؐ کے نام پر
مرگ دانش کے جہاں میں لہلہاتی زندگی ، تجھ پر سلام
تو بھی ہے ہجرت کدہ شہرِ مدینہ کی طرح
ہم نے بھی دہرائی ہے اک رسم آبا کی طرح
اے جلالِ حق کے مظہر ، اے نشان سر خوشی ، تجھ پر سلام
میں ہوں فانی ، حسن تیرا مستقل
یاد رکھنا مجھ کو بھی اے شمع دل !
سایۂ افلاک نو میں اے بہارِ دائمی ، تجھ پر سلام

(''اپنے وطن پر سلام''، ماہِ منیر)

مندرجہ بالا نظم میں اسلام کی امیدِ گاہِ آخری، کل جہاں کی تیرگی میں نظر کی روشنی جیسی ترکیبیں ان مقاصد کی طرف اشارہ ہے جس کی خاطر ہی ملک بنا اور نام خدا، حسنِ رسولؐ اور بازروے حیدرؓ کے نام پر بنا۔اس کے بعد ہجرت پاکستان کو ہجرت مدینہ اور اس عمل کو رسم آباء قرار دیتے ہیں۔آخری شعر میں وطن کی استقلالیت کی طرف اشارہ ہے اور وطن اپنی عقیدت کا بھرپور اظہار بھی کیا ہے۔ پاکستان میں ہمیشہ سے مسند اقتدار تک پہنچنے والے اپنے اقتدار کو طول دینے کے لیے سیاسی نظام کو مستحکم بنیادوں پر استوار ہونے نہیں دیتے۔یہی وجہ ہے کہ عالمی سطح پر پاکستان کے سیاسی نظام اور سیاستدانوں کے عمل کو مدنظر رکھتے ہوئے سیاسی ماہرین پاکستان کے ٹوٹنے، ختم ہونے اور تباہ ہونے کی پیش گوئیاں کرتے رہتے ہیں لیکن منیر نیازی ان افراد کو بتاتے ہیں کہ یہ وطن ہمیشہ رہنے کے لیے بنا ہے۔منیر نیازی کے شعری مجموعہ ''ماہ منیر'' میں اس نظم کے علاوہ ''اپنے شہروں کے لیے دعا''، ''ایک نیا شہر دیکھنے کی آرزو''، ''شہر کو تو دیکھنے کو اِک تماشا چاہیے'' جیسی نظمیں پاکستان سے متعلق ہیں۔

پاکستان کے سارے شہرو!
زندہ رہو! پائندہ رہو!
روشنیوں رنگوں کی لہرو!
زندہ رہو ، پائندہ رہو!
عکس پڑیں جس جگہ تمھارے
چمکیں زمینیں ان کی ضیا سے
میرے وطن کے چاند ستارو!
زندہ رہو پائندہ رہو!

(''اپنے شہروں کے لیے دعا''، ماہِ منیر)

مندرجہ بالا اشعار میں غیر مستحکم سیاسی نظام کی بدولت پاکستان کے شہروں کو لاحق خطرات کے ضمن میں منیر نیازی کی یہ دعا معنی خیز ہے۔''ماہِ منیر'' کا سالِ اشاعت ۱۹۷۴ء ہے۔جبکہ ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا سانحہ پیش آ چکا تھا۔منیر کے اس مجموعے میں حبِ وطن سے سرشار نظمیں شامل ہیں۔ یہ ایک طرف وطن سے محبت کا اظہار ہے تو دوسری طرف اس وقت کے سیاسی نظام پر گہرا طنز بھی۔ چونکہ غیر پائیدار سیاسی نظام نے پاکستان کو دولخت کر دیا۔

باطل سے تم کبھی نہ ڈرنا
کفر کبھی منظور نہ کرنا
عظمت و ہیبت کی دیوارو!
زندہ رہو! پائندہ رہو!
حق کی رضا ہے ساتھ تمہارے
میری وفا ہے ساتھ تمہارے
نئے اجالوں کے سرچشمو!
زندہ رہو! پائندہ رہو!

(''اپنے شہروں کے لیے دعا''، ماہِ منیر)

قیام پاکستان سے لے کرمنیر نیازی اپنی وفات تک کی نصف صدی سے زائد پاکستان کی سیاسی تاریخ اور سیاسی رویوں پر انھوں نے شعری قالب میں تبصرے، تجزیے اور تنقید کی ہے۔ خاص طور پر اقتدار کے حصول کی خاطر ملکی مفادات کو بالائے طاق رکھنے والے، انسانی خون سے کھیل کر طاقتور بننے والے، غریبوں کی خون پسینے کی کمائی سے عیش وعشرت کی زندگی بسر کرنے والے اور ملک کی شہرت کو اپنی شہرت کے لیے گروی رکھنے والے سیاسی قائدین کو منیر نیازی راہزن سے تعبیر کرتے ہیں۔

پاکستانی سیاستدانوں کی تاریخ ایسے بے شمار واقعات سے بھری پڑی جس میں ملک اور ملک میں بسنے والوں کے مفادات کو ہمیشہ داؤ پر لگایا۔ منیر نیازی کے سیاسی شعور کی دلیل ہے کہ وہ ان حالات میں چپ نہیں رہ سکتے۔ بلکہ اپنے دل میں بھڑکی ہوئی آگ کے شعلے کو عیاں کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ نظم ''شب خوں'' کا عنوان اور درج ذیل اشعار ملاحظہ ہوں:

اے عاشقان حسن ازل ! غور سے سنو
یہ داستان جنگ و جدل غور سے سنو
میں برگِ بے نوا تو نہیں ہوں کہ چپ رہوں
دل کے کسی بھی شعلے کو عریاں نہ کر سکوں

(''شب خوں''، تیز ہوا اور تنہا پھول)

منیر نیازی ملکی وبین الاقوامی سطح پر پائی جانے والی سیاسی ناہمواریوں کے خلاف آواز اٹھانا اپنی ذمہ داری سمجھتے ہیں۔ منیر کی شاعری میں سیاسی، سماجی، تہذیبی اور تاریخی شعور بعض اوقات بیک وقت ابھرتے ہیں اور بہت نظموں میں لگ الگ سے بھی اظہار پایا ہے۔ عالمی سطح پر بالعموم اور پاکستانی سیاسی منظرنامے میں بالخصوص سیاسی بنیادوں پر قتل ہوتے رہے ہیں۔ دنیا کی سیاسی تاریخ میں اس رویے کی بہت سی مثالیں مل سکتی ہیں۔ منیر نیازی نے ان تمام سیاسی حالات پر نظم ''شہر کو تو دیکھنے کو اک تماشہ چاہیے'' میں اس طرح تبصرہ کیا ہے:

ہے یہ ان کی زندگی کے روگ کا کوئی علاج
ابتداء ہی سے ہے شاید شہر والوں کا مزاج
اپنے اعلیٰ آدمی کو قتل کرنے کا رواج
مارنے کے بعد اس کو دیر تک روتے ہیں وہ
اپنے کردہ جرم سے ایسے رہا ہوتے ہیں وہ
(''شہر کو تو دیکھنے کو اک تماشہ چاہیے''، ماہِ منیر)

منیر نیازی ان افراد سے نہ صرف بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ اقتدار کی خاطر انسانوں کو قتل کرنے والوں کو بھوکے شیر سے تشبیہ دیتے ہیں۔ بھوکے شیروں کے زیر تسلط معاشرے میں زندگی گزارنا جنگل کی زندگی کے مترادف قرار دیتے ہیں۔ منیر نیازی ایسے افراد سے نہ صرف خوف کھاتے ہیں بلکہ اپنے آپ سمیت دوسروں کو اس طرح بھوکے شیروں سے دور رہنے کی تلقین بھی کرتے ہیں۔ ''جنگل میں زندگی'' اسی تناظر میں ملاحظہ ہو:

پر اسرار بلاؤں والا
سارا جنگل دشمن ہے
شام کی بارش کی ٹپ ٹپ
اور میرے گھر کا آنگن ہے

منیر نیازی کے نزدیک ایسا شہر جنگل ہے جہاں انسانیت کی قدر و قیمت نہ ہو، سیاست کا محور اقتدار کا حصول بن جائے، ملکی نظام سماجی فلاح و بہبود کے بجائے امیروں اور سیاستدانوں کے تحفظ کی خاطر رائج ہو اور ملکی قانون کا اطلاق صرف غریبوں پر ہوتا ہو۔ ایسا معاشرہ یقیناً جنگل ہی کا نقشہ پیش کرتا ہے۔ منیر نیازی کے نزدیک جس سماج میں لوگوں کا سیاسی شعور پست ہو استحصال کے خلاف کوئی آواز نہ اٹھتی ہو اس معاشرے کے تمام لوگوں کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں نہ صرف اپنا بلکہ انسانیت کا دشمن قرار دیتے ہیں۔ یہ ایسے شیر ہیں جن کی شجاعت اور طاقت تیرگی میں اضافے کا باعث بنتی ہے۔ یہ نظم سیاسی نظام پر گہرا طنز ہے۔

ہاتھ میں اک ہتھیار نہیں ہے
باہر جاتے ڈرتا ہوں
رات کے بھوکے شیروں سے
بچنے کی کوشش کرتا ہوں
(''جنگل میں زندگی''، جنگل میں دھنک)

منیر نیازی اس طرح کے سیاسی نظام کے خلاف نہ صرف مقابلہ کرنا چاہتے ہیں بلکہ شاعری کے ذریعے اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کے آرزو مند دکھائی دیتے ہیں۔ پاکستانی سیاسی حوالوں کو مدنظر رکھتے ہوئے منیر نیازی کی مندرجہ بالا نظم کئی حوالوں سے خاموش تبصرہ کرتی ہے۔

پاکستان کی سیاسی و سماجی صورتحال پر اس توجہ کا مطلب یہ نہیں کہ منیر نیازی کا سیاسی شعور صرف پاکستانی سیاسی حالات کے گرد گھومتا ہے اور باقی دنیا سے بے خبر ہیں۔ وہ اپنے دور کے عالمی معاملات و تغیرات پر ان کی گہری نظر ہے۔ خاص طور پر عالم اسلام کی سیاسی مشکلات اور استعمار کے منافقانہ سیاسی رویوں پر اپنے سیاسی تاثرات کا بھرپور اختیار کیا ہے۔ ان کی منظوم ترجمہ شدہ نظم ''میں اپنے باپ کے گھر کی مدافعت کروں گا'' اسی تناظر میں دیکھ سکتے ہیں۔ اگرچہ یہ نظم ایک فلسطینی شاعر کی نظم کا ترجمہ ہے لیکن منیر نیازی نے جس بنیاد پر اس نظم کو منتخب کیا وہ ان کے سیاسی شعور کی دلیل ہے۔

بھیڑوں کے خلاف
خشک سالی کے خلاف
منافع خوروں کے خلاف
عدالتوں کے خلاف
میں اپنے مویشی، کھیت اور جنگل پار جاؤں گا
میں اپنے حصے کی یافت، آمدنی اور نفع یار جاؤں گا
مگر میں اپنے باپ کے گھر کی مدافعت کروں گا
(''میں اپنے باپ کے گھر کی مدافعت کروں گا''، ایک دعا جو میں بھول گیا)

پاکستان میں رائج سیاسی نظام جو استحصالی رویہ، غیر منصفانہ نظام اور طبقاتی کشمکش کو مدنظر رکھتے ہوئے غریب عوام کی محنت، کوشش اور نظام کی تبدیلی کے لیے کوشاں پاکستانی عوام فلسطینی عوام جیسے ہی ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ فلسطین کے باسی قابض اسرائیل سے آزادی اور اپنے حقوق کے لیے لڑ رہے ہیں جبکہ پاکستان کا غریب طبقہ اپنوں سے اور اپنے اداروں سے اپنے حقوق کی جنگ لڑ رہے ہیں اور اس سیاسی نظام کے خلاف آواز اٹھا رہے ہیں جو سراسر نظریہ پاکستان سے متصادم ہے۔ منیر نیازی پاکستان میں رائج سیاسی نظام کے نتیجے میں اپنے حقوق اور ملکی بقا کی خاطر لڑنے والوں کی زبانی لکھتے ہیں:

میں مر جاؤں گا
میری روح گزر جائے گی
میرے بچے گزر جائیں گے
مگر میرے باپ کا گھر باقی رہے گا
میرے باپ کا گھر کھڑا رہے گا

("میں اپنے باپ کے گھر کی مدافعت کروں گا"، ایک دعا جو میں بھول گیا)

منیر نیازی کو یقین ہے کہ ملکی نظام جس قدر ملکی استحکام کے خلاف ہو لیکن یہ ملک قائم رہے گا۔

منیر نیازی اپنی نظموں میں سماجی تغیرات، منفی سیاسی نظام کی تشکیلات میں غیر معتبر سیاسی رہنماؤں کے ساتھ ساتھ عوام اور سات سمندر پار عالمی طاقتوں کو بھی ذمہ دار ٹھہراتے ہیں۔ ان کے نزدیک عوام اس لیے مجرم ہے کہ تاریکی اور سیاسی بدنظمی کے خلاف آواز نہیں اٹھاتے۔ خود سے کچھ کرانے کے بجائے کسی اور کے منتظر ہیں یعنی کوئی ایسی طاقت آئے جو ہمیں جابرانہ سیاسی نظام سے نجات دلائے گی۔ اس طرح محرومی کی زندگی گزارنا اور نظام کی تبدیلی کے لیے کسی اور کو صدا دینا منیر کے نزدیک عمر بھر شب کے اندھیروں کو صدا دینے کے مترادف ہے۔ ایسے سماج میں رہنے والوں سے منیر یوں مخاطب ہیں:

کشتی دل بحرِ غم کی موج میں کھیتے رہو
اپنے ہی خوں کے چراغاں کے مزے لیتے رہو
عمر بھر شب کے اندھیرے کو صدا دیتے رہو

("بے بسی"، تیز ہوا اور تنہا پھول)

منیر کے نزدیک تاریکی میں اضافے کا باعث بننے والے نظام کے خلاف اس نظام کے ستائے ہوئے لوگوں کو خود سے میدان انقلاب میں اترنا چاہیے۔ دراصل منیر نیازی پاکستانی سیاست کے تناظر میں عوام میں سیاسی شعور کے فقدان پر نالاں ہیں۔ نظم "اشارے" کے درج ذیل اشعار ملاحظہ ہو:

شہر　　　　　　　　　　　　کے　　　　　　　　　　　　مکانوں　　　　　　　　　　　　کے

سرد　　　　　　　　　　　　سائبانوں　　　　　　　　　　　　کے

دلربا،　　　　　　　　　　　　تھکے　　　　　　　　　　　　سائے

خواہشوں　　　　　　　　　　　　سے　　　　　　　　　　　　گھبرائے

رہروؤں　　　　　　　　　　　　سے　　　　　　　　　　　　کہتے　　　　　　　　　　　　ہیں

رات　　　　　　　　　　　　کتنی　　　　　　　　　　　　ویراں　　　　　　　　　　　　ہے

(''اشارے''، تیز ہوا اور تنہا پھول)

منیر نیازی کا یہی شعری رویہ ان کی شاعری کو ہر زمانے میں قابل قبول بناتا ہے۔ جس میں عصری آگہی، ماضی کا بیان، ماضی اور حال کا تقابل اور مستقبل کے امکانات کا تذکرہ پورے عہد کو متاثر کر دینے والا ہے۔ بقول ڈاکٹر فاطمہ حسن:

''منیر نیازی نے اپنی نظموں اور غزلوں سے ایک عہد کو متاثر کیا ہے۔ یہ کہنا بھی صحیح ہوگا کہ ایک عہد کے آغاز کا سراغ ان کی شاعری میں ملتا ہے۔ عصر کا شعور، وقت کی کروٹ، زمانہ حال کی آگہی کہاں ہے؟ کہاں پرانی روش نے ساتھ چھوڑا اور آنے والے دور کی رو، روایت سے ہمکنار ہوئی ان سوالات کے جوابات میں جو عصری ادب حوالہ بن سکتا ہے اس میں منیر نیازی کی شاعری سر فہرست ہے۔''(۸)

منیر نیازی جابرانہ اور خاصبانہ رویوں پر عوام کی پیہم اور مبہم خموشی پر بھی حیرت و حسرت کا اظہار کرتے ہیں۔ اپنی مختصر نظم ''شور عکس انگیز ہے'' میں اہل وطن کی خموشی پر حیرت کا بیان ہے۔ نظم ملاحظہ ہو:

بغاوت دل میں ہے اور سامنے برہم خموشی ہے

بہت رنگینیاں پردے میں ہیں پر سامنے پیہم خموشی ہے

بہت بے چینیاں دنیا میں ہیں اور سامنے مبہم خموشی ہے

(''شور عکس انگیز''، سفید دن کی ہوا اور سیاہ شب کا سمندر)

یہ خواہش صرف منیر نیازی ہی کی نہیں بلکہ ہر فرد کی یہی آرزو ہے کہ ایسا شہر بس جائے جس میں اپنائیت کا احساس ہو۔ ایسے شہر کی تعمیر کے لیے ایک ایسے رہنما کی ضرورت ہے جس میں یہ صلاحیت ہو کہ وہ ذاتی اور طبقاتی مفادات سے بالاتر ہو کر حب وطن اور اہل وطن کی محبت کے جذبے سے سرشار ہو کر لوگوں کی رہبری اور رہنمائی کا حق ادا کر سکتا ہو۔ قیام پاکستان کے کچھ عرصے بعد قائد پاکستان کی وفات سے اب تک منیر نیازی کے نزدیک کوئی راہبر ایسا دکھائی نہیں دیتا جو منیر سمیت دیگر افراد کے خوابوں کو عملی جامہ پہنائیں۔ پاکستان میں رائج سیاسی نظام کے تناظر میں منیر نیازی کی نظم ''گھر بنانا چاہتا ہوں'' عوامی خواہشات اور سیاسی راہبروں کی رہنمائی سے بیک وقت پردہ کشائی کرتی ہے:

گھر بنانا چاہتا ہوں میرا گھر کوئی نہیں
دامن کہسار میں یا ساحلِ دریا کے پاس
اونچی اونچی چوٹیوں پر سرحد صحرا کے پاس
متفق آبادیوں میں وسعتِ تنہا کے پاس
روز روشن کے کنارے یا شب یلدا کے پاس
اس پریشانی میں میرا راہبر کوئی نہیں
خواہشیں ہی خواہشیں ہیں اور ہنر کوئی نہیں

(''گھر بنانا چاہتا ہوں''، چھ رنگین دروازے)

سیاسی تضادات، قومی انتشار، فکری افتراق اور بحیثیت قوم منزل کا متعین نہ ہونا پاکستان کا سب سے بڑا المیہ ہے۔ منیر نیازی قومی سطح پر فکری انتشار کو ''آشوب شہر'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ بغیر کسی محور کے ملک کی تیز حرکت اور آہستہ سفر کو اپنی غزلوں میں آسیب زدگی کا باعث قرار دیے ہیں تو اپنی نظموں میں جہان گمشدہ کی تلاش میں اجتماعی شوق سفر منتشر افکار کے سبب نتیجہ خیز نہ ہونے پر فکرمند دکھائی دیتے ہیں۔ ''آشوب شہر'' کے نام سے معنون نظم قومی سطح پر پائے جانے والے فکری انتشار کو مجسم اور صورت میں دیکھنے کی آرزومندی کے ساتھ منظوم ہوئی ہے۔

اس خلائے شہر میں صورت نما ہوتا کوئی
اس فکر کے کاخ و کو میں بت کدہ ہوتا کوئی
منتشر افکار کی تجسیم تو ہوتی کہیں
سامنے اپنی نظر کے جسم سا ہوتا کوئی
یوں نہ مرکز کے لیے بے چین پھرتا میں کبھی
پیکرِ سنگیں سہی اپنا خدا ہوتا کوئی

(''آشوبِ شہر''، پہلی بات ہی آخری تھی)

منیر نیازی کی شاعری میں سیاسی شعور کہیں واضح اور نمایاں صورت میں ابھرتا ہے اور بعض اوقات ان کی شاعری میں زیریں سطح پر سیاسی شعور کا احساس ہوتا ہے۔ جہاں تک ان کی شاعری کے سیاسی پس منظر کا تعلق ہے وہ بیسویں صدی کا سیاسی منظر نامہ ہے جس میں مجموعی طور پر برصغیر سمیت پوری دنیا میں کئی تبدیلیاں آئیں۔ برصغیر کی سیاسی ناہمواریاں اور تقسیم کے بعد پاکستانی سیاست کی تاریخ خصوصیت کے ساتھ منیر کے سیاسی رویوں کو سمجھنے میں مدو معاون ثابت ہوگی۔ منیر نیازی کی شاعری کا مطالعہ کریں تو احساس ہوتا ہے کہ عصری آگہی کا زاویہ ان کے سیاسی و سماجی شعور کا پیدا کردہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں ہر زمانے میں زندہ رہنے کی سکت اور توانائی موجود ہے اور جدید نظم نگاری کی روایت میں ان کی شاعری ایک نمایاں اور مستقل مقام کی حامل ہے۔

حوالہ جات

۱۔انتظار حسین،''ہمارے عہد کا ادب''،مشمولہ''پاکستانی ادب''(تنقید) مرتبہ: رشید امجد و فاروق علی،فیڈرل گورنمنٹ سرسید کالج،راولپنڈی،جنوری ۱۹۸۲ء،ص ۸۹۱

۲۔ابرار احمد،ڈاکٹر،''اس خاک میں کہیں کہیں سونے کا رنگ ہے''،مطبوعہ''ادبیات''اسلام آباد،منیر نیازی نمبر،شمارہ ۸۳،۸۴،اپریل تا ستمبر ۲۰۰۹ء،ص ۱۹۷

۳۔سعادت سعید،ڈاکٹر،''منیر نیازی کی شاعری یا رازوں بھرا طلسم کدہ''،مطبوعہ''ادبیات''اسلام آباد،منیر نیازی نمبر،ص ۱۰۱

۴۔سہیل احمد خان،ڈاکٹر،''ادبیات''اسلام آباد،منیر نیازی نمبر،ص ۲۲

۵۔احمد ندیم قاسمی،''تہذیب و فن''،پاکستان بکس اینڈ لٹریری ساؤنڈز،لاہور،۱۹۹۱ء،ص ۲۲۰

۶۔یاسمین سلطانہ،ڈاکٹر،''منیر نیازی کی شاعری میں تلخیٔ دوراں''،مطبوعہ''تخلیقی ادب''،شمارہ ۶،ص ۳۶۶

۷۔فتح محمد ملک،''غلاموں کی غلامی''،دوست پبلی کیشنز،اسلام آباد،۲۰۰۳ء،ص ۹۱

۸۔فاطمہ حسن،دیباچہ''اک اور دریا کا سامنا''(کلیات منیر نیازی)،دوست پبلی کیشنز،اسلام آباد،۲۰۰۸ء،ص ۷